۴۸۶

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمْ

صدر محترم، مشائخ عظام و علماء کرام

اور معزز حضرات!

میں اپنے موضوع کے متعلق چند گذارشات ہی پر اکتفا کروں گا۔ چونکہ یہ گذارشات ہمارے علمی پس منظر اور ہمارے سلف صالحین کے لائحہ عمل اور ہمارے تعلیمی مقاصد کے بیان پر موقوف ہیں۔ اس لئے میں پہلے اس پس منظر کو عرض کرتا ہوں، جو ہر کیف ہمارے لائحہ عمل میں ملحوظ ہونا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر ہالیپوٹا صاحب

پاکستان کے ترقی پذیر معاشرے کیلئے
ایک تعلیمی لائحہ عمل

پاکستان ایک ترقی پذیر معاشرہ ہے | پاکستان کا معاشرہ ایک ترقی پذیر معاشرہ ہے کیونکہ اسکی بنیاد اسلامی عوامل اور اقدار پر رکھی گئی ہے اور اسلام انسانی فرد اور معاشرے کی ترقی اور فلاح وبہبود کے لئے ایک دائمی مشعلِ راہ ہے۔ جو معاشرہ اسلامی طرز زندگی پر گامزن ہوگا وہ ضرور ترقی پذیر ہوگا اور اس کی ترقی صحیح راہ پر ہوگی۔ اور اس کی ترقی ہر پہلو میں صحیح کمال کی طرف ہوگی نہ کہ محض نام نہاد ترقی، جس کے باطن میں تنزل اور انحطاط کا بیج مضمر ہو۔ تاریخ اسلام اس حقیقت کی شاہد ہے کہ اسلامی معاشرہ ہر دور میں ترقی پذیر رہا ہے۔ اس قدر کہ وہ تمام عالم میں صحیح راہ پر ترقی کرنے میں تمام قوموں سے پیش پیش رہتے ہوئے زندگی کے روحانی، مادی، انفرادی، اجتماعی، سیاسی اور علمی زاویوں میں، دیگر اقوام کے لئے مشعل راہ رہا ہے۔ جس طرح مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں ممتاز رہے ہیں اسی طرح تعلیم وتعلّم، تحقیق و تدقیق اور تالیف و تصنیف میں بھی تاریخ کے ہر دور میں (یورپ کے تسلّط سے پہلے) وہی پیش پیش رہے ہیں۔

تصنیف و تالیف | تصنیف و تالیف کا یہ عالم تھا کہ علوم وفنون کا کوئی بھی ایسا شعبہ نہیں ہے۔ جس میں مسلمانوں نے اپنے تحقیقی وعلمی شاہکار نہ چھوڑے ہوں ان تصنیفات اور تالیفات کا کچھ اندازہ فہرست ابن ندیم، کشف الظنون اور مقدمہ ابن خلدون کے الباب السادس وغیرہ سے ہوتا ہے۔ اور مزید ان تاریخوں اور انسائیکلو پیڈیاز سے ہوتا ہے۔ جن کا ذکر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی نے اپنے تحقیقی مقالہ میں فرمایا تھا۔

مقدمہ ابن خلدون میں جن علوم کا ذکر ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

علم القرأة ، علم الفقہ، اصول الفقہ، علم الکلام، علم التصوف ، العلوم العقلیہ، علوم الادب، علم ریاضی، علم الہندسہ، علم الجبر والمقابلہ ان کے ساتھ انجنیئرنگ کے چند علوم جیسا کہ علم المساحت، علم میکانکی، اصول علم ضوء، روشنی اور دوربینی کے اصول وغیرہ انکے علاوہ علم الفلکیات، علم الطب، علم الجراحت، علم زراعت، علم کیمیا، علم الطبیعیات وغیرہ علم اللغات اور اس کے متعلق دیگر علوم، فلسفہ ومنطق حتیٰ کہ علم سحر وطلسم کو بھی نہیں چھوڑا۔

اِن علوم کی فہرست سے معلوم ہو گا کہ ابنِ خلدون کے زمانے تک جو تیرھویں صدی عیسوی کے مصنفین میں سے تھے۔ مسلمانوں کے ترقی پذیر معاشرہ نے دینی علوم کے ساتھ ہی ساتھ ہر قسم کے علوم عقلی ونقلی، روحانی و مادّی علوم میں بھی اس قدر ترقی کی تھی جس کی مثال کسی اور معاشرے میں ہرگز نہیں ملتی۔

علوم کا قرآن سے استنباط ابن خلدون کے بعد پندرھویں صدی عیسوی کے مصنف علامہ جلال الدین السیوطی (۱۴۴۵ء ۱۵۰۵ء) اپنی مشہور ومعروف کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" میں جو علم تفسیر کا ایک بے نظیر مقدمہ ہے۔ یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ اُس زمانے کے لوگ مذکورہ بالا علوم میں سے اکثر علوم کو اور ساتھ ہی ساتھ کا دوسرے علوم کو نہ صرف ہماری اصطلاح کے مطابق اسلامی علوم سمجھتے تھے بلکہ اُن علوم کا خود قرآنی آیات سے استنباط بھی کرتے تھے۔ "الاتقان" میں امام السیوطی نے اس کے متعلق ایک باب لکھا ہے۔ جس کا عنوان ہے: "العلوم التی استنبطت من القرآن" اور اس باب میں جن علوم کی فہرست ہے اُن میں علوم عقلیہ ونقلیہ جو آجکل مدارس میں مروّج ہیں، ان کے ساتھ ہی ساتھ علم الخطاب، علم تاریخ، علم المواقیت، علم الطب (جس میں آجکل ڈاکٹری شامل ہے) علم الہندسہ وعلم الحساب جو انجنیئرنگ کو بھی مشتمل ہے، علم الجبر والمقابلہ جو آجکل کالجوں میں پڑھایا جاتا ہے اور بہت سارے علوم جو ٹیکنالوجیکل کالجوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اور بعض اکابر کا قول نقل کرتے ہوئے سیوطی فرماتے ہیں۔ کہ قرآن میں علوم بے اندازہ ہیں۔ جن کے حاصل کرنے کے لئے قرآنِ کریم سے ترغیب وہدایت ملتی ہے۔ اسی وجہ سے بعض بزرگوں نے قرآن کے علوم کی تعداد سات ہزار سات سو پچاس بتائی ہے۔ اور بعض کے نقطۂ نظر سے علوم قرآن کی تعداد ستر ہزار ہے۔ چنانچہ امام سیوطی یہ لکھ کر کہ قرآن کے علوم اور عجائبات اس قدر وسیع ہیں کہ جن کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے تحریر فرماتے ہیں۔

"فهذا مالا يحصى ولا يعلمه الا الله۔ اور خان القرآن لا يستدرك ولا تحصى عجائبه۔ فرماتے ہیں کہ۔ وانا اقول قد اشتمل كتاب الله العزيز على كل شيء۔ اما انواع العلوم فليس منها باب ولا مسئلة وهي اصل الا وفى القرآن۔"

"میں کہتا ہوں کہ بے شک کتاب اللہ العزیز ہر ایک شے پر مشتمل ہے۔ انواعِ علوم کو لیجئے تو اس میں کوئی ایسا باب یا مسئلہ جو کہ اصل اصول ہو اس طرح کا نہیں ملتا کہ قرآن میں اس پر دلالت کرنے والی بات موجود نہ ہو، مثلاً عجائبِ مخلوقات کا ذکر اس میں ہے، آسمان وزمین کی مخفی توتوں کا بھی اس میں بیان ہے، افقِ اعلیٰ و تحت الثریٰ میں جو بات پائی جاتی ہے۔ اس کے ذکر سے بھی قرآن خالی نہیں ہے۔ ابتدائے آفرینش کا اس میں بیان ہے اور انسان کی موت تک کے حالات وغیرہ کا بھی اس میں بیان موجود ہے۔" بہرکیف قرآن کریم بے اندازہ علوم کا بے پایاں مخزن ہے۔

جدید علوم مسلمانوں کی پیداوار ہیں

جن علوم کو ابن خلدون نے اور علامہ سیوطی نے اپنی تصنیفات میں بیان کیا ہے۔ اُن میں سے اکثر کو آج کل عام طور پر جدید علوم میں شامل کیا جاتا ہے۔ اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ جدید علوم اور سائنس اور وہ علوم جن کو سائنس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے سب یورپ کی پیداوار ہیں۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ علوم قرآن سے مستنبط ہیں یا اِن علوم کا مسلمانوں اور اسلام سے تعلق ہے۔ تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ فقط ایک مبالغہ اور تصنع ہے جو شائقینِ اسلام، یورپ کی ترقی پر رشک کر کے اُن کے علوم کو اپنانے کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ جب ابنِ خلدون نے مقدمہ لکھا تھا اور علامہ سیوطی نے "الاتقان" کی تصنیف کی تھی اُس وقت نہ یورپ عروج پر تھا نہ انگریز برسرِ اقتدار تھے درا صل یہ قرآنی تعلیمات کا اثر تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اس قدر علوم کی وسعت ہوئی اور اس قدر علوم وفنون پھلے پھولے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جن علوم کو آجکل سائنس میں شمار کیا جاتا ہے۔ انکی ایجاد کا سہرا بھی مسلمانوں کے سر ہے۔ اس کی تائید تاریخ کے مطالعہ سے ہوتی ہے۔ خود

علامہ اقبال نے اپنی کتاب "تشکیل الہیات اسلام" میں ایک یورپین مورخ بریفو کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ سب سے بڑا احسان جو یورپ پر مسلمانوں نے کیا تھا وہ یہ تھا کہ انہوں نے سائنس کو ایجاد کیا۔ ایک امریکن مورخ "ڈریپر" اپنی کتاب میں جو اُس نے یورپ کے ذہنی ارتقاء پر لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"قرآنِ کریم نے ایشیاء اور افریقہ پر احسان یہ کیا کہ اُن کو تین چیزیں تمدّن، دین اور علم (سائنس) عطا کیں۔ یورپ پر قرآن کا یہ احسان ہے کہ اُس کو دو چیزیں عطا کیں۔ تمدّن اور سائنس۔"

حقیقت یہ ہے کہ یورپ، اسلام اور قرآن سے پہلے ایک عمیق ترین تاریکی کے دور سے گذر رہا تھا اور اسلامی اثرات کی وجہ سے ہسپانیہ، قسطنطنیہ اور صلیبی معرکوں کے ذریعے اُسکو علمی شعاعیں پہنچیں۔ اس کے بعد یورپ نے مہذّب ہونے کے طریقے سیکھے اور مسلمانوں کے نقشِ قدم پر قدرے چلنے کی وجہ سے اُس میں ذہنی اور مادّی ترقی ایک حد تک ہوئی۔ پھر بھی انسانیت کے مدارج میں وہ کہیں پیچھے ہیں۔

جارج سارٹن نے اپنی کتاب "مقدمہ تاریخ سائنس" میں مسلمانوں کی سائنس میں تصنیفات اور خدمات پر تفصیل سے بحث کی ہے جس میں عصر جابر بن حیان، عصر خوارزمی، عصر رازی، عصر مسعودی اور عصر بیرونی، عصر عمر خیام اور عصر ابنِ رشد اور عصر ابنِ خلدون کی تفصیلات میں بہت سے مسلم سائنس دانوں کا ذکر ہے۔ جنہوں نے تمام عالم میں اپنے علوم کے فیض سے مختلف قوموں کو فیضیاب کیا۔

سائنسدان اور علماء مدارس کی پیداوار تھے

یہ مسلم مصنفین اور ماہرین ظاہر ہے کہ اُس زمانے کی تعلیم وتربیت سے مستفیض ہوئے۔ اور اپنے دور کے مدارس وتعلیم گاہوں میں اپنے استادوں کی زیرِ نگرانی ان کی تعلیم وتربیت ہوئی تھی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اُس دور میں قرآن وحدیث کی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ دوسرے علوم میں بھی تربیت دیجاتی تھی اور اسی تربیت کی وجہ سے مختلف علوم کے ماہرین اور مصنفین اور سائنسدان پیدا ہوئے اور اس دور میں تعلیم میں اِس قسم کی

مدارس کے نصاب میں علوم کی تفریق نہیں تھی

تقسیم اور تفریق مروّج نہیں تھی کہ دینی علوم، اِس قدر طبعی اور دیگر معاشرتی علوم سے الگ کر دیئے جائیں کہ ایک کا دوسرے کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہ رہے اور ایک کو خالص دینی سمجھا جائے اور دوسرے کو خارج از دین یا غیر دینی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے۔

کیونکہ یہ تفریق صحیح اسلامی نقطۂ نظر سے خارج ہے۔ اِس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ انگریزوں کی آمد سے پہلے مدارس میں جو تعلیمی نصاب رائج تھا۔ اُس میں دینی تعلیم یعنی قرآن و حدیث اور عربی لغت وغیرہ کے ساتھ دوسرے علوم معاشرتی اور اقلیدس، علم الحساب، طبیعیات، الہیات، قانون (فقہ) اصولِ قانون، تاریخ، جغرافیہ، علم الاخلاق، علم السیاسیات، علم الاکتساب، علم النفس، علم الطب (مع علم کیمیا) وغیرہ شامل تھے۔ اگرچہ بعض ادوار میں ان علوم کی مفصل تعلیم نہیں دی جاتی تھی۔ بعض علوم تو کتب متون کے مختلف ابواب تک ہی محدود تھے لیکن اگر ان مدارس کی تعلیم کی تحلیل کی جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ اسکے وقت عام مدارس کا وہی منصب تھا جو

مدارس و دارالعلوم کا منصب یونیورسٹی کا تھا

اس وقت کے عام کالجوں اور یونیورسٹیوں کا ہے۔ اگر کوئی فرق ہے تو فقط یہ فرق ہو سکتا ہے کہ اُس وقت کے مدارس میں دینی تعلیم کو اہمیت دی جاتی تھی کم از کم اس سے زیادہ جو دَورِ حاضر کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دیجاتی ہے۔

اِن مدارس کے فارغ التحصیل ہی مناصب پر فائز ہوتے تھے

اور یہ بھی واضح ہے کہ گذشتہ دور کے مدارس سے جو تعلیم پاکر نکلتے تھے وہی جاکر حکومت کے مختلف منصبوں پر فائز ہوتے تھے اور اُن میں ہی سے انجینئر بنتے تھے اور اُن ہی میں سے آفیسر، اُن ہی میں سے وزراء، اور اُن میں سے ہی محاسب و مرزبان بنتے تھے اور اُن میں ہی سے فقہا، علماء اور شعراء، کتّاب، حفاظ، شیوخ، و صوفیا، فیلسوف، اطباء، علوم طبیعیات کے ماہرین اور مہندس، حکماء، فلکیات کے ماہرین وغیرہ، یہ سب کے سب ایک ہی تعلیمی نظام کی پیداوار تھے۔ اب آپ اسکو اسلامی نظام تعلیم کہیں یا مسلمانوں کے نظام تعلیم سے تعبیر کریں۔

اسلامی نظریۂ تعلیم

دراصل بات یہ ہے کہ اسلامی نظریۂ تعلیم کا دارومدار چند اصولوں پر ہے۔ اگر وہ اصول قائم ہیں تو شعبۂ تعلیم اور فن کوئی بھی ہو۔ خواہ مادّی ہو یا روحانی، انفرادی ہو یا اجتماعی، عقلی ہو یا نقلی، اسلامی نظام تعلیم میں سمویا جا سکتا ہے۔ اگر ان اصول میں خلل پیدا ہو جائے تو ظاہری نام نہاد روحانی تعلیم بھی قابل حذر ہو جاتی ہے۔

سعادت حقیقی

اسلامی اصولِ تعلیم یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ اور فرد بقید حیات اس طرح ترقی پذیر ہو جس سے اُس کو سعادتِ حقیقی حاصل ہو، سعادت حقیقی یہ ہے کہ اس میں انسانی قوتیں باقاعدہ مکمل ہو جائیں اور نشوونما حاصل کریں۔ تاکہ انسان صحیح معنوں میں انسان ہو جائے اور انسانی معاشرہ صحیح معنی میں صالح لوگوں کا معاشرہ ہو یہ سب کچھ تب ہو گا جب انسانی